Al-Qawārīr - Vol: 02, Issue: 03,
April – June 2021

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

سلطنتِ عثمانیہ میں ترک خواتین کی سماجی حیثیت اور حقوق کا تاریخی مطالعہ

A Historical Study of Social Status and Rights of Turkish Women in Ottoman Empire

Hafiz Mudassar Farooq *
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.
Dr. Saeed Ahmad **
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore.

Version of Record
Received: 27-June-20 **Accepted**: 24-Oct-20
Online/Print: 29-June-2021

ABSTRACT

Islam has extended its rights for women to the extent which is unparalleled in other religions or in any of the world's constitutions.That is why, even after the golden era of prophet, every effort has been made to provide legitimate family and legal protection or social rights to women with respect and dignity. During the Ottoman Caliphate, which lasted for 600 years, the empire prolonged to Europe, Asia and the Middle East. Although women's rights have been more or less in quality and style but there is no example of deprivation or oppression. Women's physical and mental training equipment has been available all the time.Women have also given expertise of military training or first aid and the control of textile factories, carpet weaving, sewing, embroidery and pottery in hands of women are a testament to their importance in society. Educational institutions for women were established late however respect was also given to a non-muslim woman in society. Keeping the women in Hijab, separate baths, prohibition of unauthorized entry into homes and outdoor activities without a mahram or servant were high measures for the protection of women. Men were used to avoid abuses such as alcoholism, adultery and polygamy to save their wives from mental, physical, and intellectual anxieties. The same kind of food was eaten by Queen and Maids for showing mercy upon maids. There was no rigidity in servant's duties even though their condition was somewhat better than that of Western servants. This article is emphasis on women status and their rights in Ottoman Empire.

Key words*: Women status, Hijab, Respect, Ottoman Empire, Rights, Separate baths, Avoid abuses.*

CC BY

اسلام کی آمد سے قبل عورت بہت مظلوم اور معاشرتی و سماجی عزت واحترام سے محروم تھی۔ اسے تمام برائیوں کا سبب اور قابل نفرت تصور کیا جاتا تھی۔ وہ عرصہٗ دراز سے محروم چلی آرہی تھی۔ یونان، مصر، عراق، ہند، چین، عرب غرض ہر خطہ میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی، جہاں عورتوں پر مظالم کے پہاڑ نہ ٹوٹے ہوں۔ لوگ اسے اپنی عیش وعشرت کی غرض سے خرید وفروخت کرتے اور ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ عورت کے وجود کو موجبِ عار سمجھا جاتا تھا۔

ظہورِ اسلام اور اس کی مخصوص تعلیمات کے ساتھ عورت کی زندگی ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ عورت کو بطور ماں، بہن، بیٹی و زوجہ عزت وشرف سے نوازا گیا۔ اسلام نے ادائیگیٔ حقوق میں خواتین کے لیے جس وسعت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے یا بعد میں اس کی مثال نہ تو اہلِ کتاب کے ہاں ملتی ہے، نہ ہی کسی دنیا کے آئین میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرنِ اوّل کا سنہری دور گزر جانے کے بعد بھی عورت کو خانگی تحفظات سے لے کر قانونی تحفظات تک ہر مرحلۂ حیات میں عزت وتکریم کے ساتھ ساتھ جائز ومناسب حقِ معاشرہ مہیا کرنے کی از بس کوشش جاری رہی ہے۔

سلطنت عثمانیہ نے تقریباً سوا چھ سو سال تک دنیا کے تین براعظموں یورپ، ایشیاء وافریقہ پر حکومت کی۔ اس عرصہ میں سلاطینِ عثمانیہ نے اشاعتِ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ عثمانی خلافت نے صلیبیوں کو ایشیائے کوچک کے ایک بڑے علاقے سے شکست دے کر ہمیشہ کے لیے نکال باہر کیا۔ جب تک عثمانی سلطنت قائم رہی، اس وقت تک فلسطین میں یہودیوں کو منتقل ہونے اور آباد ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ خلافتِ عثمانیہ نے چار سو سال تک تمام عربوں کی بحسن وخوبی حفاظت وحمایت کی اور انہیں طاقتور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھا۔

اس قدر وسیع وعظیم اور بیش بہا خوبیوں کی حامل سلطنتِ عثمانیہ میں خواتین کو بھی تمام بنیادی وضروری حقوق حاصل تھے۔ اسلام کے عطا کردہ حقوقِ نسواں مثلاً عورتوں کی تعلیم کا اہتمام، نکاح میں رضامندی وکفو کا ہونا، حق مہر کی ادائیگی، کفالت، وراثت اور خلع کا حق، اسلامی اصول وقوانین کے مطابق خواتین کو حاصل تھا۔

سلطنتِ عثمانیہ میں عورتوں کی اہمیت وحقوق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب کوئی سلطان وفات پا جاتا اور اس کا نائب نابالغ یا فیصلہ کرنے کی استعداد سے محروم ہوتا تو سلاطین کی مائیں فیصلے کیا کرتی تھیں۔ بعد ازاں حرم کے امور کی نگرانی ودیگر فلاحی اداروں کا انتظام بھی خواتین چلایا کرتی تھیں۔

مسلمان خاتون۔۔۔۔عہد بہ عہد

تمام اسلامی ادوار میں خواہ وہ زمانہ نبوی ہو یا خلفائے راشدین کا دورِ حکومت، عہد بنوامیہ ہو یا عہد بنو عباس، عہد خلفائے اندلس ہو یا سلطنتِ عثمانیہ کا دورِ حکومت، عورت کو اسلامی معاشرے میں تمام سماجی، معاشی ومعاشرتی حقوق حاصل رہے ہیں۔ اسلام میں عورت کا کردار صرف خاندان یا معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر عورت کا کردار ریاستی سطح پر بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ریاست مدینہ کے قیام کے ساتھ ہی حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ سے عورت کے حقِ رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم فرمائی۔ آپ ﷺ کی اسی سنتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خلفائے راشدین نے بھی اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں

شمولیت یقینی بنائی۔ حضرت مسور ابن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جانشین کے انتخاب کے لیے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بطور چیف الیکشن کمشنر نامزد کر دیا۔انہوں نے استصواب عامہ کے ذریعے مسلسل تین دن گھر گھر جا کر لوگوں کی آراء معلوم کیں، جن کے مطابق بھاری اکثریت نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائے جانے کے بارے میں فیصلہ دیا۔[1]

اس الیکشن میں خواتین کی شمولیت سے تاریخ میں پہلی بار ایسی روشن مثال قائم کی گئی۔ عصرِ حاضر میں سیاسی معاملات میں عورت کی شمولیت کا سہرا مغرب کے نام سجایا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل عورت کو رائے دہی کا حق عطا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی مجلس شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل تھی۔ ایک موقع پر جب آپ نے مجلس شوریٰ سے عورت کی مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں موجود ایک عورت نے کہا کہ آپ کو اس کا حق و اختیار نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ إِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا[2]

(اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو، تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم بہتان کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال واپس لو گے؟)

اس گفتگو کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا:

"امراۃ اصابت رجل اخطا"[3]

"عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے غلطی کی"۔

عورت کے ریاستی کردار کا نمایاں اظہار اسے آپ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ حقِ امان دہی سے بھی ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عاص بن ربیع کو امان دی، جسے آپ ﷺ نے برقرار رکھا۔[4] اسی طرح کا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر بھی پیش آیا تھا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بنو مخزوم کے دو آدمیوں نے میرے پاس آکر پناہ طلب کی اور میں نے انہیں پناہ دے دی۔ اسی اثناء میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم تشریف لائے۔ انہوں نے جب دیکھا تو کہا کہ میں ان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں دوڑ کر بارگاہِ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھ کر مرحبا فرمایا:

میں نے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی (حضرت علی) نے یہ ارداہ کیا ہے کہ وہ ان آدمیوں کو قتل کرے گا، جنہیں میں نے پناہ دی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ "[5]

"اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی، اس کو ہم نے پناہ دی"۔

یہ عورت کو اسلام کی عطا کردہ عزت اور تکریم ہی تھی، جس سے وہ معاشرے کا ایک مؤثر اور باوقار حصہ بن گئی اور اس نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی وانتظامی اور سفارتی کردار کے علاوہ تعلیم و فن کے میدان میں بھی عورتیں نمایاں مقام کی حامل تھیں۔

سلطنت عثمانیہ میں ترک خواتین کی سماجی حیثیت

خلافت عثمانیہ جس کا دورانیہ ۱۲۹۹ تا ۱۹۲۳ تقریباً سوا چھ سو سال پر محیط رہا، میں سلطنت عثمانیہ کا دائرۂ عمل یورپ، ایشیاء اور مشرقِ وسطی تک جا پہنچا۔ اتنی وسیع و عظیم سلطنت میں خواتین کے حقوق کی ادائیگی اپنے حجم، کیفیت و اسلوب میں اگرچہ کم و بیش رہی، تاہم حق تلفی یا ظلم کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ خواتین کی جسمانی و ذہنی تربیت کا سامان ہر دور میں موجود رہا۔ عسکری تربیت اور ابتدائی طبّی امداد کی ماہرانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ، پارچہ بافی، قالین سازی، سینا پرونا، کشیدہ کاری و ظروف سازی کے چھوٹے کارخانوں کا خواتین کے ہاتھ میں ہونا معاشرے میں ان کی اہمیت پر گواہ ہے۔ تعلیمی اداروں کا باقاعدہ قیام برائے خواتین اگرچہ سلطنت عثمانیہ کے آخری ادوار میں ملتا ہے، تاہم معاشرے میں تکریم و بنیادی حقوق کا حصول غیر مسلم خواتین تک کو حاصل تھا۔ مستورات کے لیے پردے کا لحاظ، جداگانہ حمام، گھروں میں بلا اجازت داخلے کی ممانعت، کسی محرم یا خادم کے بغیر بیرون خانہ امور پر پابندی فقط خواتین کے تحفظ کے لیے اعلیٰ اقدامات کے طور پر تھا۔ کنیزوں کے ساتھ مالکہ اور ملکہ کے حسن سلوک کا عالم یہ تھا کہ جو کھانا ملکہ کھاتی، وہ ہی کنیزوں کے لیے ہوا کرتا تھا۔ ان کی تمام ضروریات کا بطریقِ احسن خیال رکھا جاتا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ میں رہائش پذیر خواتین و کنیزوں کی سماجی و اخلاقی حالت نام نہاد مغربی تہذیب و یورپین ممالک سے ہزار گنا بہتر تھی۔

ہر قوم و معاشرے میں کچھ خامیاں ضرور ہوتی ہیں، سلطنت عثمانیہ میں بھی کچھ سیاسی و معاشی مسائل ضرور رہے لیکن بالعموم ترکی خواتین کا ہر زمانہ میں یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ عفت و عصمت میں عرب خواتین کے مثل رہی ہیں۔ عام طلاق و خلع نے انہیں کسی غلط راستے پر نہیں لگنے دیا۔ ان میں بھی اپنے مردوں کی طرح بہادری کے جذبات نمایاں تھے۔ انگورہ میں پہلی کانفرنس، جس میں خواتین بھی شریک ہوئی تھیں، کمال پاشا نے منعقد کی تھی۔ کمال پاشا نے انہیں مخاطب کر کے کہا تھا کہ سوال اب گھر میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ خلوتوں سے نکل کر مردوں کے پہلو بہ پہلو دشمن سے ملک و وطن کو آزاد کرانا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہر جنگ میں ترک عورتوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سر انجام دیے، وہ توپیں گھسیٹ کر لاتیں، دشمن پر مردوں کے ساتھ حملہ آور ہوتیں، نرسنگ کا کام انجام دیتیں، یہی وجہ ہے کہ ترکوں کی کامیابی میں عورتوں کا بھی برابر کا ہاتھ ہے۔ [6]

ترک خواتین کا معاشرے میں مقام

سلطنت عثمانیہ جس کی بنیادوں میں اشاعتِ اسلام، محبتِ رسول ﷺ اور جذبۂ دینی کارفرما تھا، جو ہمیشہ بلندئ اسلام اور تحفظِ مسلماں کے لیے کوشاں رہی، میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام موجود تھا۔ ابتداء میں خواتین گھریلو سطح پر دینی مسائل سے آگاہی حاصل

کرتی تھیں، لیکن بعد میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ تعلیمی ادارے وتربیتی سینٹرز قائم کیے گئے تھے، جہاں خواتین کی تعلیم وتربیت کا بہترین، اعلیٰ اور پاکیزہ انتظام موجود تھا۔ قیامِ جمہوریت کے بعد بھی کمال پاشا کی توجہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بہت زیادہ رہی۔ چنانچہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ترکی عورتیں ترقی کے میدان میں گامزن رہیں۔

عورتوں کے لئے دینی تعلیم وتربیت سے آگاہ ہونا اور دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا آئندہ کی دائمی حیات کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی دینی تعلیم وتربیت کو روبہ عمل لا کر ایک عام قومی بیداری اور اجتماعی صورت کو ترقی دینے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ یہ اس لئے بھی از حد ضروری ہے، کیونکہ عورت کے کئی رنگ ہیں، کبھی وہ رحمت کی شکل میں بیٹی کا روپ لیے ہوتی ہے، تو کبھی بہن کی صورت میں، کبھی کسی کی شریک حیات ہوتی ہے تو کبھی ماں کی شکل میں شجر سایہ دار، اس لیے اس کی ذمہ داری کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے اور اس کے لیے زیورِ تعلیم کی قیمت سونے چاندی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ تعلیم نسواں اس لیے بھی ضروری ہے کہ عورت، اسلام کے ابدی اور آفاقی پیغام کو سمجھے، رسولِ رحمت ﷺ کے دلنشیں ارشادات کو جانے، اپنے ماحول میں دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دے، اپنی ازدواجی زندگی کو پرامن وپر بہار بنائے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کی صالح تربیت کرے۔ اگر ماں تعلیم یافتہ اور اخلاق وآداب سے مزین ہوگی تو ظلم وجہالت کی تاریکی چھٹ جائے گی، صالح معاشرہ کی تشکیل ہوگی اور اس کے بچوں کی زندگی پر خوشگوار اثرات ظاہر ہوں گے اور وہ سحر نمودار ہوگی جس کا زاویۂ نگاہ توحید ورسالت اور آخرت پر ہوگا۔

ترکی عورتوں کے بارے میں لب کشائی کرتے ہوئے خالدہ ادیب خانم بیان کرتی ہیں:

> "مجھے ایک روسی ماہر ترکیات نے کہا کہ عورتوں کی جو حیثیت ترکوں کے ہاں ہے، اسے دیکھ کر یورپ کے تحریکِ نسواں کے علمبردار بہت خوش ہوں گے۔ مردوں اور عورتوں میں بالکل مساوات ہے اور وہ ہر کام میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، عورتیں سر کو خمار سے ڈھک لیتی ہیں مگر ان کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ ان کے حسن کا یہ عالم ہے کہ میں نے جتنی قوموں کی عورتیں دیکھی ہیں، کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے قبائل کے اور باہر کے مردوں سے بے تکلف ملتی جلتی ہیں اور اپنے اعلیٰ اخلاقی معیار کی بہت ہی سختی کے ساتھ پابند ہیں۔ لڑکے، لڑکیاں بغیر ماں باپ کی مداخلت کے شادی کر لیتے ہیں، وہ اپنے رفیقِ حیات کو خود منتخب کرتے ہیں، نوجوان مرد اور عورتیں ساتھ کام کرتے ہیں، ساتھ کھیلتے ہیں۔ شادی کے بعد طلاق کی نوبت کبھی نہیں آتی، طلاق صرف بدکاری کی صورت میں ہوتی ہے اور یہ صورتیں بہت ہی شاذ ہیں اور ان میں مرد وعورت دونوں کو بالکل ایک ہی سزا دی جاتی ہے، جو بہت سخت ہوتی ہے۔ ان کے یہاں اخلاق کا معیار دونوں کے لیے یکساں ہے۔[7]

اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے خالدہ ادیب خانم مزید ذکر کرتی ہیں:

> "عثمانی خواتین مردانہ صفات رکھتی ہیں، یعنی وہ بڑی مضبوط سیرت کی اور کھری ہوتی ہیں۔ ترکی میں عام لوگ عورتوں کی تعریف عموماً اس طرح کے الفاظ میں کرتے ہیں: "وہ تو خاصی مرد ہے"، یہ کوئی نہیں کہتا کہ "وہ بڑی خوبصورت ہے"۔ اس قوم کے دل میں ابھی تک اخلاقی صفات کی عظمت اور اہمیت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں ہے"۔[8]

ترک خواتین کی معاشرتی حیثیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے باقاعدگی سے ریاستی سطح پر اقدامات بھی کیے جاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی الصلابی کے بقول:

"واهتم بالمراة، وجعل للفتيات دارا للمعلمات ومنع اختلاطهن بالرجال، وفى هذا يذكر السلطان فى معرض الدفاع عن نفسه امام اتهام جمعية الاتحاد والترقى له بانه عدو العقل والعلم بانه: (لو كنت عدوا للعقل والعلم فهل كنت افتح الجامعة؟ لو كنت عدوا للعلم ، فهل كنت انشئ لفتياتنا اللواتى لا يختلطن بالرجال ، دارا للمعلمات؟)"[9]

"سلطان نے خواتین کی تعلیم کی جانب خصوصی توجہ دی۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے الگ ادارے قائم کیے، جہاں ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ سلطان نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط پر پابندی عائد کر دی، اس پر جمعیت الاتحاد الترقی نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ وہ عقل اور علم کے دشمن ہیں۔ سلطان نے ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا: "اگر میں علم و عقل کا دشمن ہوتا تو تعلیمی ادارے کھولتا؟ اگر میں علم کا دشمن ہوتا تو بچیوں کے لئے ٹریننگ سینٹرز کھولتا، جن میں انہیں مردوں سے الگ تعلیم دی جاتی ہے"؟

خالدہ ادیب خانم، ابن بطوطہ کا مشاہدہ بیان کرتی ہیں:

"چودھویں صدی کا عرب سیاح ابن بطوطہ "بروصہ" میں سلطان سے ملنے کے لیے گیا تھا۔ سلطان گھر میں موجود نہیں تھا مگر سلطانہ نے اس سے ملاقات کی اور ملکی امور کے متعلق گفتگو کرتی رہی۔ شاہی محل سے لے کر غریبوں کی جھونپڑیوں تک ہر جگہ آزادی، مساوات اور سادگی نظر آتی تھی۔ ابن بطوطہ ترکی عورتوں خصوصاً کریمیا کی عورتوں کی آزادی کی شکایت کرتا ہے جو اسے سڑکوں پر پھرتی خرید و فروخت کرتی نظر آتی تھیں۔ اس کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے جس طبقہ میں سے تھا، اس کے خیالات عورتوں کے متعلق کچھ اور تھے"۔[10]

ترکی معاشرے کی طبقاتی تقسیم کے بعد معاشرے میں عورت کی حیثیت کے حوالے سے مشرق و مغرب کی کشمکش میں مذکور ہے:

"استنبول کے فتح ہونے کے بعد ترکی سوسائٹی صاف طور پر دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی۔ سلطان اور ارکانِ سلطنت نے اپنے گھروں میں بازنطینی طریقے اختیار کیے، مثلاً پردہ، عورتوں کے لئے علیحدہ مکان، خواجہ سرا اور نہ صرف تعددِ ازدواج بلکہ داشتہ رکھنے کی قبیح رسم بھی رائج ہو گئی۔ مگر متوسط طبقے اور ادنی طبقے میں بعض پرانی رسمیں اب تک باقی تھیں، ان کی عورتیں نقاب ڈال کر بے تکلف باہر آتی جاتی تھیں، البتہ انہیں بجز خاص صورتوں کے خاندان کے باہر کے لوگوں سے ملنے کی ممانعت ہو گئی۔ ان طبقوں کے لوگ لونڈیاں رکھتے تھے، مگر داشتہ رکھنے کی یا تعدد ازدواج کی مثالیں بہت کم پائی جاتی تھیں۔ اگر متوسط درجے کی کسی ترکی عورت کا شوہر دوسری شادی کر لیتا تو وہ اس کی زندگی دشوار کر دیتی تھی۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ دونوں بیویاں مل کر اس کی خبر لیتی تھی۔ یہ سب چیزیں بہت تکلیف دہ تھیں اور ان کا اثر بچوں پر بہت برا پڑتا تھا۔ البتہ ماؤں کے حقوق سب تغیرات کے باوجود قائم رہے۔ ماں کی محبت اور عزت دنیا میں عام ہے مگر ترکوں میں یہ جذبہ بہت ہی گہرا ہوتا ہے"۔[11]

عثمانی خواتین اور حرم کی زندگی

عثمانی حرم اور اس کی زندگی کے متعلق موجودہ صدی کے آغاز تک عجیب و غریب غلطیاں باتیں ہوئی تھیں۔ اہلِ یورپ کے نزدیک حرم وہ حصہ مکان تھا، جس میں بے شمار عورتیں رہتی تھیں اور وہ ان سب کو مالکِ مکان کی بیویاں، داشتائیں یا لونڈیاں سمجھتے تھے۔[12] لیکن جب ۱۹۰۳ء میں خالد خلیل نے ترکی معاشرت پر اپنی کتاب "ایک ترک کی ڈائری" شائع کی تو یہ غلط فہمیاں بہت حد تک دور ہو گئیں۔ خالد خلیل صاحب کی کتاب کا ترجمہ محمد حسین خان صاحب نے اسی زمانے میں "ترکوں کی معاشرت" کے عنوان سے کیا تھا۔ حرم اور اس کی زندگی کے متعلق اس کتاب کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

> "ترکی میں وہ حصہ مکان جہاں مستورات رہتی ہیں "حرم" کہلاتا ہے اور مردوں کے حصہ مکان کو "سلام بق" کہتے ہیں، جو کہ عام ملاقات کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ گو مکان کی تمام مستورات کو مجموعی طور پر حرم بھی کہتے ہیں، تاہم اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ سب صاحبِ خانہ کی بیویاں ہیں۔ ہر شخص کی زوجہ، والدہ، ہمشیرہ، دختر اور نیز وہ عورتیں جو شرعاً بلا نقاب اس کے سامنے ہو سکتی ہوں، اس کے حرم میں داخل ہیں۔ ہر خاندان میں مفصلہ ذیل اشخاص کو حرم سرا میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔ صاحبِ خانہ، اس کے بیٹے، والد، خسر اور نسبتی بھائی۔ بڑے بڑے شہروں مثل قسطنطنیہ، سمرنا اور ایڈریانوپل میں روشن دماغ طبقہ کے لوگ اپنے دور کے رشتہ داروں کو بھی اندر جانے کی اجازت دے سکتے ہیں اور جو کہ یورپین رسم و رواج اختیار کرتے ہیں، اپنے گہرے دوستوں کو بھی داخل کر سکتے ہیں۔ لیکن پرانی وضع کے خاندانوں میں جو کہ آبادی کا سب سے بڑا حصہ ہیں، صاحبِ خانہ کا کوئی مرد رشتہ دار تیرہ یا چودہ برس کی عمر کے بعد حرم سرا میں نہیں جانے پاتا، اگر اس سے اور دخترِ صاحبِ خانہ یا دوسری قابلِ نکاح لڑکیوں میں سے کسی سے شادی ہونا ممکن ہو"۔[13]

ایک عرصہ تک مغرب کی جانب سے ترکوں کی تہذیب پہ یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ ترکی میں عورتوں کو حرم سرا میں قید رکھا جاتا تھا، وہ اپنی مرضی سے آمد و رفت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے خالد خلیل صاحب لکھتے ہیں:

> "حرم سرا کی رہنے والیاں زیادہ تر مکانوں ہی میں رہتی ہیں، لیکن کلیۃً مقید نہیں ہوتیں۔ دو دو تین تین یا زیادہ کی جماعت دوسرے حرم سراؤں میں ملاقات کے لیے جاتی ہے اور اسی طرح احباب و اعزا کے حرم سراؤں سے عورتیں ملنے کے لیے آتی جاتی ہیں، لیکن اس قسم کے مجمعوں میں عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں، مرد شریک نہیں ہوتے"۔[14]

سلطنتِ عثمانیہ میں ترک خواتین کی معاشرتی خدمات

عثمانی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جو عورتوں کی سلطنت کا دور کہلاتا ہے۔ یہ سترہویں اور اٹھارویں صدی کے درمیان کا زمانہ تھا، جس میں عثمانی سلطنت کا تنزل انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔ ان میں سے بعض قابل اور ذہین عورتیں تھیں، جن سے ملک کو بہت فائدہ پہنچا، لیکن مجموعی طور پر حرم کی سیاست میں مداخلت خصوصاً اپنے ناقص نظام کے ماتحت بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ والدہ سلطان پہلے ہی سے سیاست میں دخیل تھی، وہ ملک کے بن لکھے قانون کے مطابق اپنے بیٹے کے اختیارات میں شریک سمجھی

جاتی تھی۔ لیکن سلطان کی بیویوں، عورتوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کرتی تھیں سلطان کے ذریعے سے کرتی تھیں ،سازشوں کا بازار گرم تھااور رشوت کی کوئی انتہانہ تھی۔ اگرچہ محل کی خواتین کا دخل سیاست میں حد سے زیادہ مضر تھا، لیکن خالدہ ادیب کانم کے بقول:

"عام طور پر عورتیں رفاہ عامہ اور تعلیم کے کاموں میں جو کوششیں کر رہی تھیں، اس کے نتائج ایسے حالات میں بھی مفید ثابت ہوئے"۔ [15]

ترکی مستورات کو اپنے رتبہ و درجہ کے مطابق مختلف کام کرنے اور فرائض ادا کرنے پڑتے تھے۔جناب خالد خلیل صاحب رقمطراز ہیں:

"ایک اوسط درجہ کی خاتون میں جو شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہو، امور خانہ داری کے انصرام کی قابلیت سے بڑھ کر اور کوئی اوصاف اور خوبیاں نہیں تلاش کی جاتیں۔ صوبجات میں دہقانی عورتوں کو علاوہ اپنے حسب حال انتظامِ خانہ داری کے کھیتوں میں بھی کام کرناپڑتا ہے، خصوصاًاس وقت جب ان کے بھائی اور شوہر سرکاری احکام کے مطابق فوجی ملازمت پر ہوتے ہیں۔ خوشحال اشخاص کی لڑکیاں اپنے گھروں کے کاروبار دیکھنے کے علاوہ سینے پرونے میں انتھک محنت کرتی ہیں اور ہمیشہ کشیدہ کاری، کڑھائی اور سلائی کے دوسرے کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔بڑے بڑے معززین کی بیٹیوں کو دیگر کاموں کے علاوہ وہ سب چیزیں بھی سیکھنا ہوتی ہیں جن کی ان کی استانی یا معلّمہ انہیں تعلیم دے"۔ [16]

خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ

ترک خواتین خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر شریک ہوتی تھیں، جس کا اندازہ اسی امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن عمارتوں پر ترکی کو ناز ہے، وہ سب کسی بیوی یا ماں کی یادگار میں بنائی گئی ہیں، بلکہ عورتوں نے خود بھی بے شمار مسجدیں، سرائیں، حوض، پل وغیرہ تعمیر کرائے ہیں۔ محل کے اندر اور باہر سب عورتیں کچھ تو دینداری کے جوش میں اور کچھ رسم کے خیال سے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کوئی نہ کوئی کارِ خیر ضرور کرتی تھیں۔ عمومی عمارات میں سے اکثر عمارات عورتوں کی بنوائی ہوئی اور وقف کی ہوئی ہیں۔ جس کی نظر سے اوقاف کا دفتر گزرا ہو، اس کے دل پر ان مخیّر عورتوں کے جذبۂ ہمدردی کا سکہ بیٹھ جاتا ہے"۔ [17]

مذکورہ بالا بیانیہ سے ہی ترک معاشرے میں خواتین کی خدمات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کس طرح ترک خواتین نے اپنے معاشرے کی سالمیت اور بقاء کی خاطر گرانقدر خدمات سر انجام دیں؟ اور اس مقصدِ عظیم کی خاطر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

شعبۂ تعلیم میں خواتین کا کردار

یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ معاشرتی ترقی میں تعلیم و تعلم کے عمل کو ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی بھی معاشرہ تعلیم کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ معاشرتی زندگی کے اس شعبے میں بھی ترک عورتیں نہایت جوش اور

انہاک سے کام کرتی تھیں۔ ترکی کے اکثر ہائی سکول ابتداء میں عورتوں ہی نے بڑی بڑی رقمیں دے کر قائم کیے تھے۔ مسجدوں کے مکتب بھی زیادہ تر عورتوں ہی نے کھولے تھے۔ جن میں اتنی قدرت نہ تھی کہ مدرسے بنائیں، ان کا دستور تھا کہ اپنے محلے یا اپنی گلی کے چند غریب بچوں کی تعلیم اپنے ذمے لے لیتی تھیں۔ [18]

گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے وہ مزید بیان کرتی ہیں:

> "بہت سے وقف ناموں میں یہ شرط کر دی گئی تھی کہ استاد بچوں کو پابندی کے ساتھ مختلف گاؤں کی سیر کرانے کے لئے لے جایا کرے گا اور اس کے لیے رقم مخصوص کر دی گئی تھی۔ ان کے علاوہ چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے غیر سرکاری مدرسے تھے، جن میں عورتیں تعلیم دیا کرتی تھیں۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں سلطان سلیم ثالث پہلا شخص تھا، جسے حقوقِ نسواں کا حامی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی بہن خدیجہ سلطان عجیب و غریب صفات کی عورت تھی۔ اس نے عورتوں میں بیداری پیدا کرنے اور انہیں جدید خیالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۶۰ء میں حکومت نے عورتوں کو معلّمی کی تربیت دینے کے لئے ایک نارمل سکول اور لڑکیوں کے لئے ابتدائی مدرسے کھولے۔ معلمات اب ریاست کی ملازم بن گئیں۔"۔ [19]

عثمانی ترکوں کی تاریخ میں شاعر اور انشاء پرداز عورتوں کے نام جس کثرت سے نظر آتے ہیں، اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خوشحال گھرانوں میں لڑکیوں کی تعلیم پرانے طریقے کے مطابق بہت اہتمام سے ہوتی تھی۔ سلطان عبدالحمید کے زمانے میں انشاء پردازوں کا ایک قابلِ قدر حلقہ تھا جس کی طرف سے عورتوں کا ایک ہفتہ وار اخبار "دنیائے نسواں" کے نام سے نکلتا تھا۔ اس نے بہت مفید خدمات انجام دیں۔ اس لیے کہ اس کے خریدار عورتوں اور مردوں میں بہت کثرت سے تھے۔ اس کی ادارت تمام و کمال عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔ اب عورتیں صرف شاعر ہی نہیں ہوتی تھیں کہ عشق و محبت اور گل و بلبل کے نغموں سے دل بہلایا کریں بلکہ وہ نہایت غور سے معاشرتی اور تعلیمی مسائل کا، جن کا عورتوں کی زندگی سے تعلق تھا، مطالعہ کیا کرتی تھیں۔ [20]

مختلف انجمنوں کا قیام

عثمانی عورتوں کو حقیقی ترقی کا موقع ۱۹۰۸ء میں میسر ہوا۔ آئینی انقلاب کے بانی یعنی نوجوان ترکوں کی پارٹی نے عورتوں کی تعلیم میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ عورتوں کی نظر اور زندگی میں وسعت پیدا ہوگئی اور انہیں پوری طرح یہ احساس ہوگیا کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیے بغیر نیا ترکی قائم نہیں کیا جاسکتا۔ نتیجتاً عورتوں نے اپنی انجمنیں قائم کیں۔ ان کے پہلے کلب تعلیمِ نسواں نے ایک لیکچروں کا سلسلہ جاری کیا، جس میں مختلف علوم و فنون کے ماہر آکر لیکچر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا مرکز پرورشِ اطفال کی تربیت دینے کے لیے قائم کیا گیا، سارے استنبول میں بہت سی معاشرتی انجمنیں قائم کی گئیں۔ ان میں سب سے مفید وہ انجمنیں تھیں، جن میں معلم اور معلمات مل کر مدرسوں میں بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ تعلیم عورتوں کا اصولِ عمل بن گئی اور پہلی بار امیر گھرانوں کی عورتوں نے بھی اس میں حصہ لینا شروع کیا۔ جب جنگ بلقان چھڑی اور اس کی وجہ سے ملک کی حالت بہت خراب ہوگئی تو

احتجاج کے جلسے کرنے میں، زخمیوں کی خبر گیری میں، یتیموں، بیواؤں اور بلقان کے پناہ گزینوں کے لیے دستکاری کی تعلیم کا انتظام کرنے میں ترکی عورتوں نے کمال کر دیا۔ترکی عورتوں نے اس جنگ میں معمولی سپاہیوں کی خدمت میں جان لڑادی۔[21]

استنبول کا زنانہ ٹریننگ کالج اس دور کی سب سے بہتر عمارت سمجھی جاتی ہے۔نوجوان ترکوں کی حکومت نے لڑکیوں کو یورپ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔جنگ عظیم کے زمانے میں ایسی صورت پیش آئی کہ عورتوں کی خدمات اور قربانیوں کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا تھا۔مرد سب کے سب میدان جنگ میں تھے، باہر سے تجارت کی راہیں مسدود تھیں، اس صورت حال میں عورتیں ہی ضرورت کی سب چیزیں پیدا کرتی تھیں۔فوجوں میں عورتوں کی پلٹنیں قائم کی گئیں، جو محاذِ جنگ کے پیچھے کام کرتی تھیں۔سپاہیوں کو خوراک اور لباس پہنچانا انہی کے سپرد تھا، پھر ملکی محکموں میں بھی عورتوں سے کام لینا پڑتا تھا۔۱۹۱۹ء تک عورتیں تعلیم اور تجربے میں اس حد تک پہنچ چکی تھیں کہ انہیں ملک کے نظم و نسق میں دخل ہو گیا تھا۔[22]

صحتِ عامہ

عورتوں کو صحت کا خیال سب سے زیادہ تھا۔سب نہیں تو اکثر شفاخانے عورتوں نے بنوائے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی بڑی جائیدادیں وقف کی ہیں۔ان میں سے بہترین شفاخانہ ''غربا'' اور شفاخانہ ''نسا'' ہیں۔یہ دونوں ان اوقاف کی وجہ سے جو ان کے ساتھ کیے گئے تھے، نہایت عمدہ اور مکمل حالت میں ہیں اور ان سے خلقِ خدا کو بے حد فائدہ پہنچتا ہے۔مجنونوں کی خبر گیری جو اعلیٰ تہذیب کی نشانی سمجھی جاتی ہے، ترکوں میں ان کی ہمدردی اور خدا ترسی کی بدولت بہت ترقی کر گئی ہے۔سترھویں صدی میں جب یورپ والے اپنے یہاں کے مجنوں کو تنگ جاکٹ میں جکڑ کر رکھتے تھے، ترکی میں ''میگنیسیا'' کے مقام پر مجنونوں کا شفا کھانا موجود تھا۔ان کے ساتھ بہت مہربانی کا برتاؤ ہوتا تھا اور موسیقی کے ذریعے ان کا علاج کیا جاتا تھا۔[23]

اسی طرح جیل خانوں کے لئے خواتین کی جانب سے بے شمار اصلاحات کا آغاز کیا گیا، کم سے کم ایک خاتون سترھویں صدی میں ایسی بھی تھیں جو جیل خانوں کی اصلاح سے انتہائی دلچسپی رکھتی تھی یعنی ابراہیم کی ماں قنم سلطان۔وہ ہر سال قید خانوں میں جاتی تھی اور جو لوگ قرض کی وجہ سے قید ہوتے تھے، ان کا قرضہ ادا کر کے انہیں رہا کر دیتی تھی۔وہ خود قید خانے کے مہتمم سے گفتگو کرتی تھی اور تمام کا غذات کا معائنہ کرتی تھی۔[24] عورتوں کے جاری کیے ہوئے بہت سے لنگر کھانے بھی موجود ہیں، جن کے ساتھ بڑے بڑے وقف ہیں۔ان دنوں ترکی میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا تھا۔[25]

تحریک انقلاب میں عورتوں کا کردار

دسمبر ۱۹۰۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے انقلابیوں کی ایک کانگریس احمد رضا بے[26] کی زیر صدارت پیرس میں منعقد ہوئی، جس میں عثمانی انجمن اتحاد و ترقی آرمینی، بلغاری، یہودی، عرب، البانی اور دوسری کمیٹیاں شریک ہوئیں اور تمام مندوبین نے مندرجہ ذیل امور کے قبول کرنے پر اتفاق کیا۔

۱۔ سلطان عبدالحمید معزول کر دیے جائیں۔

۲۔ سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کا تحفظ کیا جائے۔

۳۔ قانون کی نگاہ میں تمام نسلوں اور مذہبوں کو کامل مساوات حاصل ہو۔

اس کانگریس سے ایک سال قبل انجمن اتحاد وترقی نے اپنا صدر دفتر مقدونیہ میں منتقل کر دیا تھا۔ انجمن کی غیر معمولی سرگرمیوں کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں انقلابی خیالات مقدونیہ کی پوری فوج میں پھیل گئے۔ تحریکِ انقلاب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ترک عورتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے سپرد زیادہ تر پیغام رسانی اور کاغذات کو ایک ممبر کے پاس سے دوسرے ممبر کے پاس لے جانے کی خدمت تھی۔ انجمن کے ممبروں کی بیویاں ایک دوسرے سے مل کر یہ خدمت آسانی کے ساتھ انجام دیتی تھیں۔ ترکی میں عورتوں کو جو عزت واحترام حاصل تھا، اس کے لحاظ سے وہ تلاشی سے محفوظ ومامون تھی اور کوئی شخص خواہ وہ کسی رتبے کا آدمی ہو بلا اجازت حرم میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی پولیس افسر کی مجال نہ تھی کہ بغیر کسی نہایت ہی اہم سبب کے وہ اس مقبولِ عام دستور کی خلاف ورزی کر سکے، یہی وجہ تھی کہ عورتیں جلسوں کے انعقاد میں بھی مدد دیتی تھیں۔[27]

خواتین کی عزت وعصمت کی حفاظت

دولتِ عثمانیہ میں ترکوں کے اخلاق وعادات کے متعلق مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص سڑک پر کسی عورت سے ملتا ہے تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے، گویا اس کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے شرم عورتوں سے بھی بے حد نفرت کرتے ہیں اور ان سے اجتناب کرتے ہیں۔ کسی ترک کے لئے سب سے بڑی ذلت اور شرم کی بات یہ ہے کہ وہ عورت پر ہاتھ اٹھائے۔ زیادہ سے زیادہ جو وہ کر سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے لئے سخت اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کرے یا پھر وہاں سے چلا جائے۔[28]

مسز میکس عثمانی خواتین کا تذکرہ کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

> ”یہاں عورتیں امید سے زیادہ سڑکوں پر ملتی ہیں، جو بلاخوف وخطر پل ”غلطہ“ پر آدمیوں کے مجامع کثیرہ میں مل جل کر چلتی ہیں۔ ہم ان کی چمکدار، سرخ وسفید، نیلے، سبز، قرمزی رنگ کے گوناگوں لباسوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں، لیکن ان کی سیاہ آنکھوں کے سوا بریک اور چھنے والی نقاب کی تہوں کے اندر سے ان کے چہروں کی کیفیت بہت کم معلوم ہو سکتی ہے۔ مشرقی چہروں میں سیاہ آنکھ ایک سب سے اعلیٰ ترین چیز ہے۔ اگر ان کے باریک نقابوں کے اندر کوئی شخص ان کے چہروں کو اچھی طرح جانچ کرنا چاہے تو اس کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا“۔[29]

یہ پروفیسر میکس کے الفاظ ہیں، جو ۱۸۹۶ء میں قسطنطنیہ گئے تھے، جب سلطان عبدالحمید خان کا عہد تھا، جو سیاسی استبداد کے علاوہ معاشرت کی سخت پابندیوں کا بھی زمانہ تھا۔ اس کے باوجود عورتوں کی یہ آزادی قابلِ لحاظ ہے، لیکن اس آزادی کی بھی معین حدود تھیں، جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً کوئی خاتون بغیر نقاب کے اپنے مکان کے نیچے کی سڑک پر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ ہر عورت امیر ہو یا غریب اور کیسی ہی نیک چلن ہو، غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی اپنے مکان پر واپس چلے جانے پر مجبور تھی۔ سلطان

عبدالحمید خان عورتوں کے پردہ کے سخت مؤید تھے۔ ہر سال وہ نقاب اور برقعہ کے زیادہ ڈھیلے ہونے کی نسبت فرمان جاری کرتے تھے ۔جیسا کہ ذیل کی روایت سے بھی واضح ہو جاتا ہے:

"ان بعض النساء العثمانیات اللائی یخرجن الی الشوارع فی الاوقات الاخیرة ، یرتدین ملابس مخالفة للشرع۔ وان السطان قد ابلغ الحکومة بضرورة اتخاذ التدابیر اللازمة للقضاء علی هذه الظاهرة کما ابلغ السلطان الحکوة ایضا بضرورة عودة النساء الی ارتداء الحجاب الشرعی الکامل بالنقاب اذا خرجن الی الشوارع"۔[30]

"(سلطان عبدالحمید ثانی کی جانب سے ایک حکومتی بیان میں کہا گیا) بعض عثمانی خواتین جو رات کے وقت سڑکوں پر نکلتی ہیں، خلافِ شرع لباس پہنے ہوتی ہیں۔ سلطان نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اس بے پردگی کو روکنے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔ سلطان نے حکومت کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ وہ عورتوں کو مکمل شرعی نقاب پہننے کا پابند کریں اور جب وہ سڑکوں پر آئیں تو مکمل اسلامی لباس اوڑھ کر آئیں"۔

کوئی آزاد عورت بغیر نقاب ڈالے ہوئے غیر مردوں کے سامنے نہیں جاسکتی تھی۔ کنیزوں کو اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ترک اپنے گھروں میں کنیزیں رکھتے تھے ۔تاہم خلافِ قانون ہونے کی وجہ سے ان کی خرید وفروخت خفیہ طور پر ہوتی تھی۔ کنیزیں حرم میں بہت خوش رہتی تھیں، انہیں وہی کھانا ملتا تھا جو ملکہ خود کھاتی تھی اور خواہ وہ کوئی قصور بھی کریں، انہیں گھر سے باہر نہیں نکالا جاتا تھا۔ملکہ ان کی غور وپرداخت اور تمام ضروریاتِ زندگی کی ذمہ دار ہوتی تھی۔لوسی گاڑنٹ لکھتی ہے:

"ترکی میں کنیزیں بہت سی حیثیتوں سے مغرب کی خانگی ملازماؤں سے بہتر حالت میں ہوتی تھیں۔ان کے فرائض کبھی بھی سخت نہ تھے اور فرصت کے اوقات کافی ملتے تھے ۔[31]

نتیجہ بحث

اس آرٹیکل کے مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ خلافتِ عثمانیہ جو تقریباً سواچھ سو سال تک تین براعظموں، یورپ، ایشیاء اور مشرقِ وسطی میں اسلام کی علمبردار رہی ،اتنی وسیع اور عظیم سلطنت میں خواتین کو تمام بنیادی وضروری حقوق حاصل تھے۔ نہ صرف اعلیٰ خاندانوں کی خواتین بلکہ عام عثمانی خواتین بھی عزت و سکون کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ ترکی مستورات اپنے درجات و مراتب کے مطابق مختلف ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی تھیں۔ وہ انتظامِ خانہ داری کے علاوہ کھیتوں میں بھی کام کرتی تھیں۔ خوشحال گھروں کی لڑکیاں اپنے گھر کے کاموں کے علاوہ سینے پرونے، کشیدہ کاری، کڑھائی اور سلائی کے دوسرے کاموں میں مشغول رہتی تھی۔ محل میں رہنے والی خواتین کا دخل سیاست میں اگرچہ حد سے زیادہ ہوتا تھا جو کہ بعض صورتوں میں نقصان کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا لیکن ایسے حالات میں رفاہِ عامہ اور تعلیم کے فروغ میں ان کی کوششیں قابلِ ستائش ہیں۔ حرم کی خواتین نے بے شمار مسجدیں، سرائے، حوض اور پل وغیرہ تعمیر کروائے اور ملکی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ تمام خواتین اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق کوئی نہ کوئی کارِ خیر ضرور کرتی تھیں۔ ترکی کے اکثر ہائی سکول ابتداء میں عورتوں نے ہی بڑی بڑی رقوم دے کر قائم کیے تھے۔ مسجدوں کے

مکتب بھی زیادہ تر عورتوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ بعض خواتین اپنے گھروں میں بھی لڑکیوں کی تعلیم کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ تعلیم و تربیت کے علاوہ افرادِ معاشرہ کی صحت و تندرستی کا خیال بھی ان کے دامن گیر تھا۔ اسی عظیم مقصد کے حصول کے لئے ترک خواتین نے اکثر شفاء خانے تعمیر کروائے اور ان کے ساتھ بڑی بڑی جائیدادیں بھی وقف کیں۔ عثمانی خواتین کے قائم کیے ہوئے بڑے بڑے لنگر خانے بھی موجود تھے۔ ان دنوں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا تھا، اسی وجہ سے گداگری نہ ہونے کے برابر تھی اور بھیک مانگنا بہت بڑی ذلت سمجھی جاتی تھی۔ اگر عثمانی خواتین کی ذاتی و عائلی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ میں کنیزوں اور لونڈیوں کو بھی بے حد عزت واحترام سے نوازا جاتا تھا۔ انہیں وہ ہی کھانا پیش کیا جاتا جو ملکہ خود کھاتی تھی۔ وہ حرم میں بہت خوش رہتی تھیں۔ ملکہ ان کی تمام تر ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ عثمانی خواتین کو اگرچہ اتنی آزادی ضرور حاصل تھی کہ وہ سیر و تفریح یا خرید وفروخت کے لئے باہر آمد ورفت رکھ سکتی تھیں، تاہم اس سب کی حدود متعین تھیں، جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خواتین جب گھروں سے باہر نکلتیں تو انہیں مکمل تحفظ حاصل ہوتا۔ کسی کو ان کی عزت مجروح کرنے کی کوشش تو درکنار، کوئی انہیں گھورنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ خلافتِ عثمانیہ خواتین کو جان، مال، عزت وآبرو کا مکمل تحفظ فراہم کیے ہوئے تھی۔

حواشی، حوالہ جات

---

[1] ۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب کیف یبایع الامام الناس، دار طوق النجاۃ، ج:۹، ص:۷۸، رقم الحدیث:۷۲۰۷

[2] ۔النساء، ۴:۲۰

[3] ۔ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔۱(۱۴۱۹ھ)، ج:۲، ص:۲۱۳

[4] ۔عبد الملک بن ہشام، جمال الدین، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، مصر، ط۔۲، (۱۳۷۵ھ)، ج:۱، ص:۶۵۷

[5] ۔البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ، دار طوق النجاۃ، ط۔۱، (۱۴۲۲ھ)، ج:۱، ص:۸۰، رقم الحدیث:۳۵۷

[6] ۔میرٹھی، زین العابدین سجاد وانتظام اللہ اکبر آبادی، تاریخ ملت، ادرہ اسلامیات، انار کلی لاہور (۱۹۹۱ء) ج:۳، ص:۲۳۳

[7] ۔خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ط۔۱، (۱۹۳۵ء)، ص:۲۳۵، ۲۳۴

[8] ۔خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش، ص:۲۳۵

[9] ۔علی محمد الصلابی، الدکتور، السلطان عبد الحمید الثانی وفکرۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، (۲۰۱۲ء)، ص:۳۹

[10] ۔خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش، ص:۲۳۵

[11] ۔خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش، ص:۲۳۸، ۲۳۷

12۔ خالد خلیل، ترکوں کی معاشرت، مترجم: محمد حسن خان، مطبع مفید عام آگرہ، (۱۹۰۵ء)، ص:۳۶

13۔ خالد خلیل، ترکوں کی معاشرت، ص:۳۷۔۔۔۴۳

14۔ خالد خلیل، ترکوں کی معاشرت، ص:۴۷

15۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۳۹

16۔ خالد خلیل، ترکوں کی معاشرت، ص:۴۷۔۴۸

17۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۰

18۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۲

19۔ محوّلہ بالا

20۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۵

21۔ محوّلہ بالا

22۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۶۔۲۴۷

23۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۰

24۔ خالدہ ادیب خانم، ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ص:۲۴۱

25۔ محوّلہ بالا

26۔ یہ پیرس کی مرکزی انجمن کا صدر تھا۔

27۔ محمد عزیز، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، (۲۰۰۹ء)، ج:۲، ص:۲۳۰

28۔ محمد عزیز، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ج:۲، ص:۴۰۴

29۔ میکس، مسز جبار جینا، سیاحت قسطنطنیہ، مترجم: خواجہ رشید الدین، مطبع مفید عام، آگرہ، (۱۹۰۲ء)، ص:۱۹

30۔ محمد عزیز، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ج:۲، ص:۳۹۷

31۔ علی محمد الصلابی، الدکتور، السلطان عبد الحمید الثانی وفکرۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، ص:۴۰